معاصر مسلم ناقدینِ مغرب کے افکار کا جائزہ

محمد شہباز منج*

ABSTRACT:

Some of Contemporary Muslim critics of Western thoughts and civilization reveal that Western culture, notions and ideas are almost all mendacity and falsehood. So their attitude towards Western thoughts and culture is nearly overall rejection. They try to disprove almost all the Western concepts. The present paper studies the criticism of these Muslim critics of Western thought and culture. It concludes that all the Western notions are not liable to refute. West is not a norm of untruth (Batil).Truth (Haq) is not only the heritage of the East. Truth doesn't turn into falsehood by mere adoption of the West and falsehood doesn't turn into truth by only acceptance of the East. Muslims should take the western notions critically and should accept of those compatible with Islamic concepts and reject contradicting to it.

Keywords: Western, Thoughts, Contemporary, Muslim, Critics, Rejection, Thinking.

مغربی فکر سے متعلق ہمارے یہاں کے علمی حلقوں میں بالعموم دو رویے پائے جاتے ہیں۔ایک یہ کہ مغربی فکر معیارِ حق ہے،اس کے حاصلات کو نہ صرف یہ کہ رد نہیں کرنا چاہیے بلکہ نعمتِ غیر مترقبہ سمجھتے ہوئے قبول کر لینا چاہیے۔اس رویے کے حامل مذہبی عقائد ونظریات کے مغربی نتائجِ فکر سے تطابق کو معراجِ علم خیال کرتے ہیں۔ان کے نزدیک مذہب کی اس دور میں سب سے بڑی خدمت اس کے ذریعے یہ ثابت کر دینا ہے کہ اے مغرب: مستند ہے ''تیرا'' فرمایا ہوا۔ یہاں تک کہ وہ اس کوشش میں مسلمات وبدیہیاتِ دین کو بھی تاویل کی سان پر چڑھا دیتے ہیں۔دوسرا رویہ یہ ہے کہ مغربی فکر اور اس کے حاصلات لغو، لایعنی اور باطلِ محض ہیں ۔یہ اہلِ اسلام کے لیے شجرِ ممنوعہ کا حکم رکھتے ہیں۔مغرب کی کسی بھی چیز کو اپنا لینا یا اسے درست سمجھنا نادانی اور دین سے عدمِ واقفیت کی دلیل ہے۔اس رویے کے حامل مغرب کے ہر تصور ونظریہ کے رد کو دین کی بہت بڑی خدمت سمجھتے ہیں۔ راقم الحروف کے نزدیک یہ دونوں رویے افراط وتفریط اور دو انتہاؤں سے عبارت ہیں۔اول الذکر سے متعلق ہمارے ہاں بہت کچھ لکھا گیا ہے اور ایک تسلسل کے ساتھ لکھا جا رہا ہے۔(۱) لیکن ثانی الذکر سے متعلق کوئی قابلِ ذکر تنقید سامنے نہیں آئی۔شاید اس وجہ سے کہ یہ رویہ اور اس کے فکری اثرات نسبتاً محدود ہیں۔تاہم

* ڈاکٹر، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، یونی ورسٹی آف سرگودھا، پاکستان برقی پتا: drshahbazuos@hotmail.com
تاریخِ موصولہ: ۲۰۱۶/۴/۲۶ء

گزشتہ کچھ عرصے سے اس رویے کے حاملین کے مختلف رسائل وجرائد میں کثرت اور تکرار کے ساتھ مضامین شائع ہو رہے ہیں۔ بلکہ بعض ایسے رسائل بھی سامنے آچکے ہیں جو باقاعدہ اس رویے کے ترجمان ہیں۔اس لیے ضروری ہے کہ اس کو سنجیدہ بحث وتجزیے کا موضوع بنایا جائے۔ ہماری یہ گزارشات اسی ضمن میں ایک کوشش ہیں۔ہم ان دانشوروں کے افکار ونظریات کے اہم اور نمایاں نکات ذکر کر کے ان کا جائزہ لیتے ہیں۔

سائنس وٹیکنالوجی اور مذہب

یہ دانشور اپنی تنقیدِ مغرب میں جو نتائج سامنے لاتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مغربی سائنس وٹیکنالوجی مغرب اور نظامِ سرمایہ داری کا ایک جال ہے جو اس نے دنیا کو اپنے دام میں پھنسانے کے لیے بچھا رکھا ہے۔سائنس مذہب کی دشمن ہے۔اس کی اپنی مخصوص اقدار ہیں، جو مذہبی اقدار سے متصادم ہیں۔ چنانچہ سائنس مذہبی جوش وجذبے کو تباہ کرتی اور آدمی کو مذہب بیزار بناتی ہے۔ یہ سمجھنا کہ اسلام یا اسلامی فکر وتہذیب کا موجودہ سائنس کی ترقی میں کوئی کردار ہے، ایک بے سند مفروضہ ہے۔سائنس مقاصدِ اسلام کے حصول میں مددگار کیا ہوگی وہ تو الٹا اس کے مقاصد میں سدِّ راہ ہے۔ مسلمان اگر واقعی اسلامی معاشرہ تشکیل دینے کے خواہاں ہیں تو انہیں موجودہ سائنس وٹیکنالوجی اور اس کے مظاہر کو رد کرنا ہوگا۔اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کا کہنا یہ بھی ہے کہ سائنسی تحقیقات کی بنیاد پر کسی اخلاقی قدر کا اثبات نہیں ہوسکتا۔اس لیے کہ سائنسی تجربات کا دائرہ 'کیا ہے' اور 'کس طرح' ہے سے عبارت ہے۔ جبکہ اخلاقیات کا 'کیا بہتر ہے' اور 'کیا ہونا چاہیے' ہے۔لہٰذا اخلاقیات میں سائنس کا حوالہ محض جہالت ونادانی ہے۔

سائنس وٹیکنالوجی اور مذہب کے حوالے سے ہمارے ممدوح دانشوروں کے یہ خیالات اپنی کلیت میں بدیہی اسلامی تعلیمات اور نصوصِ شرعیہ سے متصادم ہیں اور ان میں صریح تضاد وتناقض پایا جاتا ہے۔ان کے نصوصِ شرعیہ کی روشنی میں محاکمے سے پہلے ان کے اندر موجود تضاد وتخالف پر ایک نظر ڈال لینا مناسب ہوگا۔ان حضرات کا ایک طرف موقف یہ ہے کہ سائنس کو غیر اقداری سمجھنا غلط ہے، اس کی اپنی مخصوص اقدار ہیں۔ یہ اپنی ان اقدار کی بقا چاہتی اور اس کے لیے مسلسل کارفرما رہتی ہے۔ لیکن دوسری طرف کہتے ہیں کہ سائنس کا اقدار سے کچھ علاقہ ہی نہیں۔ 'کیا اچھا ہے'، 'کیوں ہے'، 'کیا ہونا چاہیے' اس کے دائرہ کار سے باہر کی چیزیں ہیں، اسے محض 'کیا ہے' اور 'کس طرح ہے' سے بحث ہے۔ یہ واضح تضاد وتناقض ہے۔ ہم ان حضرات سے عرض کرتے ہیں کی جناب آپ کے خیالات سے تین باتیں نکل سکتی ہیں؛ ایک یہ کہ آپ کے خیال میں سائنس فی نفسہٖ اقداری ہے؛ دوسری یہ کہ سائنس نفس الامر میں غیر اقداری ہے؛ اور تیسری یہ کہ سائنس خود تو غیر اقداری ہے، البتہ مرورِ ایام سے کچھ لوگوں یا کسی خاص قوم نے اس میں کچھ مخصوص اقدار داخل کر دی ہیں۔اگر آپ پہلی بات کے قائل ہیں تو آپ اس استدلال میں حق بجانب نہیں کہ اقدار واخلاقیات سائنس کے دائرے کی باتیں نہیں۔ (واضح رہے کہ بات صرف اقدار کی موجودگی کے قائل ہونے کی ہو رہی ہے، یہ بحث

غیر متعلق ہوگی کہ سائنسی اقدار مذہب کی اقدار سے مختلف ہیں) اور اگر آپ دوسری یا تیسری بات کو درست سمجھتے ہیں تو آپ کی یہ ساری بحث لایعنی ہو جاتی ہے کہ سائنس اقداری ہے۔ تیسری بات کی صورت میں آپ کے لیے بحث کا میدان صرف سائنس میں اقدار کا دخول یا اس کے جسمِ ناتواں پر ایک نامناسب بوجھ لادنے کا ذمہ دار طبقہ رہ جاتا ہے کہ اس نے اس بے چاری کو کیوں تکلیفِ مالایطاق دی ہے۔ اقدار کے حوالے سے ہمارے کے نزدیک سائنس کی حیثیت کیا ہے؟ اس کا تعین ہماری اگلی بحث سے ہو جائے گا۔

سائنس و ٹیکنالوجی کے مذہب دشمن اور مذہب بیزاری کا ذریعہ ہونے کا نظریہ فی الواقع مغرب کے نشأۃِ ثانیہ سے پہلے کے مسیحی اہلِ مذہب کے علم و سائنس دشمن رویے کا تسلسل ہے، اہلِ اسلام کو یہ کسی صورت زیب نہیں دیتا۔ علمی تحقیقات اور سائنس و ٹیکنالوجی سے متعلق رویے کے باب میں مسیحیت اور اسلام میں قطعاً مغائرت ہے۔ ہمارے سائنس مخالف دانشور اس بدیہی حقیقت کو ماننے سے نہ صرف اعراض کرتے بلکہ اس کے خلاف طویل لایعنی دلائل پیش کرتے ہیں، جسے خود عام مغربی اہلِ علم ہی نہیں اہلِ سائنس واضح طور پر محسوس کرتے ہیں۔ مغربی اہلِ سائنس تسلیم کرتے ہیں کہ مغرب کے مذہب مخالف مادہ پرست سائنسدان مذہب و سائنس پر گفتگو کرتے ہوئے یہودیت و عیسائیت ہی کو سامنے رکھتے ہیں اور یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ کوئی مذہب ایسا بھی ہو سکتا ہے جس کا سائنس سے متعلق رویہ یہودیت و عیسائیت سے مختلف ہو۔ اسلام سے متعلق غیر صحیح معلومات نے ان کو اس مذہب کے خلاف مذکورہ مذاہب سے بھی زیادہ متعصب بنا دیا ہے۔ بہ الفاظِ دیگر ان کے خیال میں اسلام یہودیت و عیسائیت سے بڑھ کر اوہام و خرافات پر مبنی، غیر صحیح اور سائنس سے متصادم ہے۔(۲) کیا اس حقیقت کی روشنی میں اسلام اور سائنس کے باب میں مغرب کے ملحدین اور ہمارے زیرِ نظر حامیانِ اسلام دونوں کے نتائجِ فکر یکساں قرار نہیں پاتے؟ کیا دونوں ہی کی رائے یہ نہیں بنتی کہ اسلام اور سائنس کا باہم کوئی ناتا نہیں، ایک دوسرے کا دشمن اور اس کی راہ میں رکاوٹ ہے؟ بایں ہمہ ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ مغرب کے ملحد اسلام دشمن ہیں اور ہمارے دانشور اسلام کے تنہا خیر خواہ! یعنی:

تمہاری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو مرے نامۂ سیاہ میں تھی

ہماری رائے میں زیرِ بحث تناظر میں مغرب کے مذہب دشمن ملحدین اور اہلِ سائنس، سائنس کے حق اور مذہب کے خلاف تعصب میں مبتلا مسلم مقلدینِ مغرب اور مذہب کے حق اور سائنس کے خلاف تعصب کا شکار مسلم اہلِ قلم تینوں ایک ہی زمرے میں شمار کیے جانے کے لائق ہیں۔ اس لیے کے تینوں میں یہ قدرِ مشترک ہے کہ مذہب اور سائنس باہم مغائر و مخالف ہیں۔ اگر اس بات کے ثبوت فراہم ہو جائیں کہ مذہب اور سائنس یا (مغرب میں یہودیت و مسیحیت ہی کے مذہب کے نمائندہ ہونے کی غلطی فہمی کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے کہنا چاہیے کہ) اسلام اور سائنس میں کوئی دشمنی نہیں تو تینوں

کے تصورات کا بیک وقت ابطال ہو جاتا ہے۔اور اس کے ثبوت نہایت بدیہی ہیں۔ چند ایک مختصراً ملاحظہ فرمائیے:

سائنس کسے کہتے ہیں؟ اس سوال کے ماہرین کی طرف سے دے گئے چند جوابات یہ ہیں: یہ طبیعی کائنات کا غیر جانبدارانہ مشاہدہ اور اس سے متعلق بنیادی حقائق کا مطالعہ ہے۔(۳)اس کے معنی جاننے اور سیکھنے کے ہیں۔(۴)اس کا مطلب علم ہے۔(۵) یہ مشاہدے سے دریافت ہونے والے نتائج یا علمی حقائق کو مرتب اور منظّم کرنے کا نام ہے۔(۶) یہ تجرباتی علوم وحکمت یا فطری وطبیعی مظہر کا باقاعدہ علم یا ایسی سچائی ہے، جو مشاہدہ، تجربہ یا استقرائی منطق سے معلوم کی گئی ہو، یا طبیعی حقائق کو وہ علم ہے، جو مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہو۔(۷)اس کے معنی غیر جانبداری سے حقیقت کے کسی پہلو کا باقاعدہ مطالعہ کرنا ہیں۔(۸) خلاصہ یہ کہ سائنس عبارت ہے علم، معلومات، مشاہدے وتجربے، حقائق کے غیر جانبدارانہ مطالعے، استقرائی منطق سے حقیقتِ واقعہ تک رسائی کا۔اب دیکھیے مذہب کو بھی ان چیزوں سے کوئی سروکار ہے یا نہیں۔ قرآن کا مطالعہ کرنے والا ایک عام قاری بھی محسوس کرسکتا ہے کہ قرآن جگہ جگہ ان چیزوں پر زور دیتا ہے۔وہ اپنے قاری سے کثرت اور تکرار کے ساتھ علم، مشاہدے، تدبر وتفکر اور حقائق کے غیر جانبدارانہ مطالعے کا مطالبہ کرتا ہے۔جاننے، سیکھنے اور علم حاصل کرنے کے حوالے سے قرآن کے مثبت رویے کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس کے مطابق انسان کو اس کی تخلیق کے بعد سب سے پہلے علم الاشیاء دیا گیا اور اسی بنا پر اسے فرشتوں پر فضیلت بخشی گئی۔(۹)قرآن نے سب سے پہلے علم وتعلم کی اہمیت اجاگر کی۔اس کے نزول کی ابتدا ہی علم وتعلیم سے متعلق آیات سے ہوئی۔(۱۰)اس نے واضح کیا کہ علم والے اور بے علم برابر نہیں ہوسکتے۔(۱۱)علم والے اللہ کے ہاں صاحبانِ فضل وکمال ہیں۔(۱۲) اللہ تعالی سے وہی لوگ ڈرتے ہیں جو اہل علم ہیں۔(۱۳)اہلِ علم ہی اللہ کی پیش فرمودہ مثالوں کو سمجھتے ہیں۔(۱۴) نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک اہم اور بنیادی مقصد ہی تعلیم دینا ہے۔(۱۵)چنانچہ اس نے تعلیم دی کہ پروردگارِ عالم سے اپنے علم میں پیہم اضافے کی استدعا کرتے رہو۔(۱۶) جہاں تک مشاہدے، تجربے، تدبر فی الخلق کے ذریعے حقیقت تک رسائی کا تعلق ہے تو قرآن حکیم نے اس پر اس قدر زور دیا ہے کہ اس کے مقدس اوراق کم ہی اس سے خالی ہوں گے۔قرآن کے نقطۂ نظر سے ذکرِ خداوندی کی ترجیحی اہمیت محتاجِ دلیل نہیں، لیکن اس کے نزدیک اس کے ساتھ بھی تدبر لازم ہے۔وہ اصل اہلِ ذکر انہی کو مانتا ہے جو ذکرِ الٰہی کے ساتھ ساتھ تخلیقِ ارض وسماء میں غور وفکر جاری رکھتے ہیں۔(۱۷)ایک عام آدمی بھی جانتا ہے کہ سائنسدان جانوروں، زمین وآسمان اور پہاڑوں وغیرہ کی ساخت پر اور ان سے متعلق دیگر امور پر تحقیقات پیش کرتے ہیں۔قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ان چیزوں میں بلا شبہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں اور انسانوں کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں مشاہدہ اور تفکر وتدبر سے کام لیں۔(۱۸) مشاہدہ اور تدبر فی الخلق کی اہمیت کے پیشِ نظر قرآن نے ان لوگوں کو حیوانوں سے بھی بدتر اور جہنمی قرار دیا ہے، جو اپنے قوائے حسی کو مشاہدۂ فطرت اور ذہنوں کو تفکر وتدبر کے لیے استعمال نہیں کرتے۔(۱۹)

قرآن کی دعوتِ فکر وتدبر کے ضمن میں یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ قرآن کریم نے کسی مظہرِ فطرت کو دیکھ کر اس

پر غور وفکر کیے بغیر آگے گزر جانے کو نافرمانوں کی نشانی بتایا ہے(وَ کَاَیِّنۡ مِّنۡ اٰیَۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ یَمُرُّوۡنَ عَلَیۡہَا وَ ہُمۡ عَنۡہَا مُعۡرِضُوۡنَ ۔ا(۲۰)اور اہلِ علم کے مطابق کسی مظہرِ قدرت یا ایۃ اللّٰہ پر غور وفکر ترک کر دینا،اس سے پہلے کہ اس کی حقیقت پوری طرح منکشف ہو،اس سے اعراض کے زمرے میں آتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کو یہ حکم ہے کہ جب موجوداتِ قدرت میں سے کوئی چیز اس کے علم میں آئے تو اسے نظرانداز نہ کرے، بلکہ اس کے مشاہدے اور مطالعے کا حق ادا کرے،اس کی حقیقت اور اصلیت کو پوری طرح سمجھے،اور خدا کی حکمتیں، جو اس کے اندر پوشیدہ ہیں،ان سے پوری طرح واقف ہونے کی کوشش کرے۔گویا جب تک کسی چیز کی حقیقت پوری طرح واضح نہ ہو جائے، مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اپنی تحقیق وتجسس کو جاری رکھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امت کو سکھائی گئی یہ دعا بھی اس مطلب کی تائید کرتی ہے:اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ اللّٰھم ارنا الاشیاء کماھی. ’’اے خدا!ہم کو صداقت بطور صداقت کے دکھا دے اور اس کی پیروی کرنے کی توفیق دے اور جھوٹ بطور جھوٹ کے دکھا دے اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔اے خدا!ہمیں اشیا کو اس طرح سے دکھا دے جیسی وہ در حقیقت ہیں۔‘‘ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا گویا سائنسی طریقِ تحقیق کی حمایت کرتی ہے، کیونکہ سائنسی طریقِ تحقیق، جو اس بات پر زور دیتا ہے کہ مشاہدہ کے نتائج کو کامل احتیاط سے اخذ کیا جائے اور انتہائی طور پر درست کرنے کی کوشش کی جائے،اس کا مقصد یہی ہے کہ اشیا ایسی ہی نظر آئیں جیسی کہ وہ در حقیقت ہیں۔(۲۱)

اشیا کو ان کی اصلی حالت میں دیکھنے اور مشاہدے کے نتائج میں غلطی سے بچنے کے لیے قرآن بہ تکرار صحیفۂ فطرت کے مطالعہ کی دعوت دیتا ہے۔مثلاً ایک جگہ ارشاد ہے:الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ہَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ. ثُمَّ ارۡجِعِ لۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّہُوَ حَسِیۡـــــــرٌ. (۲۲) یہاں قرآن بار بار نگاہ ڈالنے اور غور وفکر کرنے پر زور دے رہا ہے۔سائنسی زبان میں یہی چیز مشاہدہ (Observation)اور تجربہ (Experiment) کہلاتی ہے۔کسی چیز کا بار بار مشاہدہ کرنے اور حالات بدل بدل کر یعنی تجربہ کر کے مطالعہ کرنے اور غور وفکر کر کے گہرے نتائج اخذ کرنے کو سائنسی تحقیق (Scientific Research) کہا جاتا ہے۔

تجربہ اور مشاہدہ کی انتہائی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر ایمان مضبوط ہوتا اور اطمینانِ قلب نصیب ہوتا ہے۔قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کے اپنے خاص بندوں کو،ان کے اطمینانِ قلب کی خاطر کرائے گئے مشاہدات مذکور ہیں۔مثلاً ایک واقعہ حضرت ابراہیم سے متعلق ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی مردوں کو زندہ کرنے کی قدرتِ کاملہ پر ایمان تھا تاہم انہوں نے اطمینانِ قلب کے لیے مشاہدہ کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے چار پرندے لے کر انہیں سدھایا اور پھر ان کو ذبح کر کے ان کا گوشت باہم ملا کر چار پہاڑوں کی چوٹیوں پر رکھ دیا۔پھر ان کو ایک ایک کر کے آواز دی تو وہ ان کی نگاہوں کے سامنے زندہ ہو گئے۔(۲۳) دوسرا واقعہ حضرت عزیر علیہ السلام سے متعلق

ہے۔انہیں بھی اللہ کی قدرتِ کاملہ پر یقین تھا تاہم جب انہوں نے ایک بستی کو عجیب وغریب حالت میں تباہ شدہ دیکھا تو یہ جاننا چاہا کہ اللہ تعالیٰ اس بستی کو کس کیفیت سے زندہ کرے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مشاہدہ کرانے کے لیے سو برس تک مردہ رکھا۔ پھر ان کو زندہ کر کے پوچھا کتنی مدت تک اس حالت میں رہے ہو؟ وہ بولے: دن یا آدھا دن۔ اللہ نے فرمایا: نہیں، بلکہ سو برس تک اس حالت میں رہے ہو۔ کھانے کو دیکھو وہ بالکل نہیں گلا سڑا اور دیکھو گدھے کی ہڈیوں کو ہم کیسے ترتیب دیتے ہیں؟ اور تمہارے دیکھتے ہی دیکھتے ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہوتا دیکھ کر حضرت عزیز علیہ السلام کو اللہ کی قدرتِ کاملہ پر اطمینانِ قلبی حاصل ہوگیا۔(۲۴) ان واقعات سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں مشاہدہ اور مطالعہ کائنات پر زور دیا اور بھرپور طریقے سے اس کی دعوت و ترغیب دی وہاں اپنے بندوں کو مشاہدات بھی کرائے۔ چنانچہ مشاہدہ تجربہ اور تدبر فی الخلق کے اعتبار سے بھی قرآن اور سائنس میں ایک واضح تعلق نظر آتا ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کہ قرآن سائنس کی کتاب نہیں، اس کا اصل اور بنیادی کام انسان کی ہدایت ہے۔(۲۵) تاہم وہ جہاں انسان کو اللہ کی معرفت کا درس دیتا ہے، وہاں اللہ کی کبریائی، خلاقیت اور علم وقدرت وغیرہ کے اظہار کے لیے اور اپنے دعوؤں کی حقانیت کے ثبوت میں کائنات اور اس میں کارفرما قوانینِ طبیعی سے تعرض کرتے ہوئے ان کے کسی نہ کسی پہلو کو بطورِ دلیل پیش کرتا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ کائنات اور اس کے مظاہر کے مشاہدے اور مطالعے کی دعوت دیتا ہے۔ گویا حقیقت تک رسائی کے لیے جن چیزوں پر سائنس کا انحصار ہے قرآن بھی سچائی تک پہنچنے کی غرض سے انہی چیزوں کو ذریعہ بنانے کو کہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فلاسفہ، علمائے دین اور اہلِ سائنس کے نمایاں اور بڑے بڑے افراد نے مذہب اور سائنس کے تصادم کے تصور کا رد کیا اور ان کی قربت کا اثبات کیا ہے۔ مثلاً معرکہ آرا سائنسی نظریہ 'اضافیت' (Relativity) پیش کرنے والا، بیسویں صدی کا سب سے بڑا سائنسدان آئن سٹائن کہتا ہے: ''سائنسی تحقیق آدمی میں ایک خاص قسم کے مذہبی احساسات پیدا کرتی ہے، یہ ایک طرح کی عبادت ہے۔(۲۶) میرے لیے راسخ ایمان کے بغیر اصلی سائنسدان کا تصور محال ہے۔''(۲۷) معروف فرانسیسی سائنسدان، فزیشن، ماہرِ امراضِ قلب، شاہ فیصل کے ذاتی معالج اور فرانس کی میڈیکل ایسوسی ایشن کے سابق صدر ڈاکٹر موریس بکائی لکھتے ہیں:

> "It comes as no surprise, Therefore, to learn that religion and science have always been considered to be twin sisters by Islamand that today, at a time when science has taken such great strides, they still continue to be associated." (28)

> ''اس میں کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ اسلام نے مذہب اور سائنس کو ہمیشہ جڑواں بہنیں تصور کیا ہے۔ آج بھی، جب کہ سائنس ترقی کی انتہاؤں کو چھو رہی ہے، وہ ایک دوسرے کے قدم بقدم ہیں۔''

سائنس کے تناظر میں اسلام کی حقانیت پر بات کرنے میں موریس بکائی چونکہ بہت مشہور ہیں اور ان کا عام حوالہ دیا

جاتا ہے اس لیے میرے بعض سائنس مخالف دوست اسے ہنسی میں اڑانے کی کوشش کرتے ہیں کہ آپ لوگوں کے پاس بس کہ ہی ایک حوالہ ہے، میں ان دوستوں کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ان کا یہ خیال قلتِ مطالعہ یا سائنس سے تعصب کا نتیجہ ہے۔ اگر وہ تحقیق کی تھوڑی سی زحمت بھی گوارا کریں اور تعصب کی عینک اتار کر دیکھیں تو انہیں معلوم ہو گا کہ مذہب اور سائنس کی قربت کا قائل صرف بکائی نہیں دنیا کے اکثر سائنسدان ہیں۔ حتیٰ کہ آپ کو شائد ہی کوئی ایسا معتبر سائنسدان ملے جو مذہبی ذہن نہ رکھتا ہو۔ آئزک نیوٹن جسے دنیائے سائنس کا سب سے بڑا نام سمجھا جاتا ہے، دہریت کی مخالفت اور مذہب کے دفاع میں زوردار مضامین لکھتا رہا ہے۔ (۲۹) اس نے اپنی متعدد تحریروں میں ببانگ دہل اقرار کیا ہے کہ یہ کائنات اللہ کے وجود کی ناطق شہادت ہے۔ (۳۰) فرانسس بیکن، جو سائنسی طریقِ تحقیق کے بانیوں میں سے ہے، سائنس اور مطالعہ فطرت کو کلامِ خدا کے بعد ایمان کا سب سے ثقہ ثبوت قرار دیتا ہے۔ (۳۱) مشاہدۂ فلک کے لیے پہلے پہل ٹیلی سکوپ استعمال کرنے والا مشہور سائنسدان گلیلیو کہتا ہے کہ یہ کائنات اور اس کے سارے حقائق خدا کے تخلیق کردہ ہیں، کائنات اللہ کی تحریر کردہ دوسری کتاب ہے، لہٰذا سائنس اور عقیدہ و مذہب کبھی ایک دوسرے سے متصادم نہیں ہو سکتے۔ (۳۲) جدید علم فلکیات کا بانی کیپلر سائنس کی طرف آیا ہی اپنے مذہبی رجحانات کی بنا پر تھا، اس نے واضح کیا ہے کہ اس نے اپنی سائنسی دریافتوں سے خدا کو پایا ہے۔ (۳۳)

یہ تو سائنسدانوں کے خیالات تھے۔ جہاں تک علمائے اسلام کا تعلق ہے ان کے حوالے اس سے بھی زیادہ پیش کیے جا سکتے ہیں لیکن مضمون کی شکایتِ تنگیٔ داماں کو ملحوظ رکھتے ہوئے میں صرف دو حوالوں پر اکتفا کروں گا؛ ایک علامہ اقبال کا، جو فلسفہ اور علم دین دونوں میں مسلمہ حیثیت رکھتے ہیں اور جدید مغربی تہذیب کے بہت بڑے ناقد ہیں اور دوسرا مولانا مودودی کا، جو بیسویں صدی کے دوران مسلمانانِ برصغیر میں مغربی تہذیب و اقدار کے مقابلہ میں اسلامی تہذیب و اقدار پر اعتماد پیدا کرنے اور احیائے اسلام کے حوالے سے ایک اہم اور نمایاں مصنف اور جانے پہچانے عالمِ دین ہیں۔ موخر الذکر رقمطراز ہیں: ''حقیقت یہ ہے کہ سائنس کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو انسانوں کے دل میں ایمان کو گہری جڑوں سے رائج کرنے والا نہ ہو۔ فزکس، کیمسٹری، بیالوجی، اناٹومی، اسٹرانومی غرض جس علم کو بھی دیکھیں اس میں ایسے حقائق سامنے آتے ہیں جو انسان کو پکا اور سچا مومن بنا دینے کے لیے کافی ہیں۔ سائنس کے حقائق سے بڑھ کر آدمی کے دل میں ایمان پیدا کرنے والی کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ یہی تو وہ آیاتِ الٰہی ہیں جن کی طرف قرآن بار بار توجہ دلاتا ہے۔'' (۳۴) مقدم الذکر کہتے ہیں:

> "The truth is that the religious and scientific processes, though involving different methods, are identical in their final aim at reaching the most real." (۳۵)

> ''واقعہ یہ ہے کہ مذہب اور سائنس، مختلف طریقِ کار اپنانے کے باوجود، اس اعتبار سے بالکل ایک ہیں کہ دونوں کا مطمعٔ نظر حقیقتِ واقعہ تک رسائی ہے۔''

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن کی دعوتِ مطالعۂ فطرت اور انفس و آفاق سائنس کی ترقی میں بنیادی اور اہم کردار ادا کرنے والی چیزیں ہیں؛ مذہب سائنس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بلکہ اس کو مہمیز لگاتا ہے اور اس حقیقت کا اعتراف دنیا کے عظیم سائنسدانوں اور مفکرین نے واضح الفاظ میں کیا ہے تو اس خیال کی بھی آپ سے آپ تردید ہوگئی کہ اسلامی فکر وتہذیب کا سائنس کی ترقی میں کوئی کردار نہیں۔ لہٰذا اس پر مزید تفصیلی دلائل کی حاجت نہیں۔ البتہ اس تصور کا بودا پن متحقق کرنے کی غرض سے اس پر بطورِ خاص چند سطور صرف کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے:

یہ حقیقت مسلم اور غیر مسلم محققین نے تسلیم کر لی ہے کہ قرونِ وسطی کے مسلمانوں کی سائنسی ترقی قرآن وحدیث کے مشاہداتی وتجرباتی اندازِ نظر کو اپنانے پر زور دینے کی بنا پر تھی، (۳۶) اور متعدد سائنسی دریافتیں مختلف شرعی احکام اور تقاضوں کا نتیجہ تھیں؛ مثلاً الجبرا کو اسلامی قانونِ وراثت اور فلکیات، جغرافیہ، جیومیٹری اور ٹرگنومیٹری کو سمتِ قبلہ اور اوقاتِ نماز معلوم کرنے کی اسلامی تقاضوں کے تحت ترقی ملی۔ (۳۷) ابن النفیس نے بخاری کی حدیث ''اللہ نے کوئی مرض ایسا پیدا نہیں کیا جس کی دوا پیدا نہ کی ہو'' کو اپنی عظیم سائنسی دریافتوں کی بنیاد بنایا تھا۔ اس نے خون کی دل سے پھیپھڑوں کی طرف حرکت (Pulmonary Circulation) کو دریافت کیا اور اپنی اس تحقیق کو حشرِ اجساد کے روایتی اسلامی تصور کی تائید میں پیش کیا۔ (۳۸) مسلم کیمیا گری، کیمسٹری اور علم نجوم کے محرکات بھی مذہبی تھے۔ (۳۹) قرآن وحدیث کے ساتھ ساتھ ان اسلامی ذرائع علم کے مستند ماہرین (علماے دینیات) کے افکار وتحریرات نے بھی مختلف سائنسی علوم کی تحریک پیدا کی۔ مثال کے طور پر طبِ اسلامی میں سرجری اور علمِ تشریح الاعضا پر امام غزالی کی تصنیفات کے اثرات ہیں، جنھوں نے ان علوم کو تخلیقاتِ خداوندی کے ادراک کے لیے استعمال کرنے پر زور دیا۔ (۴۰) پندرہویں صدی کے مسلم ماہرِ کونیات علی القوشجی نے ارسطاطالیسی تصورِ سکونِ زمین کو غزالی وغیرہ ایسے عظیم مسلم ماہرینِ علومِ دین کی تنقیدِ ارسطو سے تحریک پا کر رد کیا تھا۔ (۴۱) امام غزالی نے خود ارسطو کے تصورِ کائنات کو رد کرتے ہوئے تعددِ عوالم کا تصور پیش کیا۔ (۴۲) اسلام، اسلامی تہذیب اور اہلِ اسلام کے دنیائے سائنس میں غیر معمولی کردار کو مغربی اہل علم وقلم - جو بالعموم اسے ماننے میں تعصب میں مبتلا ہوتے ہیں - نے بھی نہایت واضح لفظوں میں تسلیم کیا ہے۔ مثلاً رابرٹ بریفالٹ لکھتا ہے: مسلمانوں نے یونانیوں سے کہیں بڑھ کر تجربات پر زور دیا۔ (۴۳) ول ڈیوراں اقرار کرتا ہے کہ مسلم کیمیادان علمِ کیمسٹری کے بانی ہیں۔ (۴۴) یورپ کو سائنسی طریقِ تحقیق سے متعارف کرانے والا مشہور مغربی سائنسدان راجر بیکن بھی مسلم سائنسدانوں سے متاثر تھا۔ (۴۵) یہ اور اس نوع کے دیگر لاتعداد واضح شواہد کی ہوتے ہوئے سائنسی ترقی میں اسلامی فکر وتہذیب کے کردار کا انکار حق کا منہ چڑانے کے مترادف ہے۔

جہاں تک سائنس اور اخلاقی اقدار کے باہمی تعلق کا سوال ہے تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ایسی چیز جو حقیقتِ مطلقہ کے عرفان کا اہم ذریعہ ہو اسے لازماً اعلی اخلاقی اقدار کے حصول کا ذریعہ بھی ہونا چاہیے۔ لیکن حادثہ یہ ہوا کہ مغرب میں نشاۃِ ثانیہ کے

دور میں جب مذہب اور سائنس میں جدائی واقع ہوئی تو اہلِ سائنس نے ردعمل میں جہاں مذہب کو سائنس کی راہ میں رکاوٹ خیال کرتے ہوئے رد کر دیا وہاں مذہبی اخلاقی اقدار سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی۔ جب سائنس کا مذہبی اخلاقیات سے کوئی علاقہ نہ رہا تو ظاہر ہے اس میں وہی اخلاقیات داخل ہونا تھیں جو اس سے متعلق لوگوں کی اخلاقیات تھیں، یعنی غیر مذہبی اور آزادانہ اخلاقیات۔ اب چونکہ سائنس پر غیر مذہبی لوگوں کا قبضہ تھا تو لامحالہ سائنس کو انہی کی اخلاقیات کا حامل ہونا تھا۔ مگر اس سے یہ کیسے طے ہو گیا کہ سائنس فی نفسہ غیر مذہبی اخلاقیات کی حامل ہے، جیسا کہ ہمارے سائنس مخالف دانشور ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ سائنس میں غیر مذہبی اخلاقی اقدار کے دخول کے اصل ذمہ دار اہلِ کلیسا ہیں۔ کیا ہمارے سائنس مخالف دانشور بھی انہی کی روش اپنانے کے درپے ہیں۔ اگر اہلِ مذہب سائنس کی زمامِ کار ملحدین ہی کے ہاتھوں میں دینے پر مصر ہوں تو انہیں کس طرح یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ سائنس اور اہلِ سائنس کی غیر مذہبی اخلاقیات کی شکایت کریں!

بلاشبہ عصرِ حاضر کی ایک نہایت اہم ضرورت سائنس کو مذہب و اخلاق سے مربوط کرنا ہے۔ دورِ جدید کے بڑے بڑے مفکرین اس کا گہرا احساس رکھتے ہیں۔ میں اس ضمن میں یہاں ڈاکٹر رفیع الدین کے توسط سے دو مفکرین کی آرا پیش کروں گا: پروفیسر سوادکن - ہارورڈ یونیورسٹی کے شعبہ عمرانیات کا سابق صدر - لکھتا ہے: ''مذہب اور سائنس کا موجودہ تضاد خطرناک ہی نہیں بلکہ غیر ضروری بھی ہے۔ اگر خدا اور اخلاقی اقدار کا صحیح تصور میسر آ جائے تو اس کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جائے گی کہ مذہب اور سائنس دونوں ایک ہیں اور ایک ہی مقصد کی پیش برد کے لیے اپنا وجود رکھتے ہیں۔ یعنی یہ کہ تجربات کی اس قریبی دنیا میں خدائے مطلق کی قدرتوں کو بے نقاب کیا جائے تا کہ انسان کی شرافت اور خدا کی عظمت دونوں کا اثبات عمل میں آئے۔''؛ فیلڈ مارشل سمٹس - فلسفہ کی بلند پایہ کتاب ہولزم Holism کا مصنف - کہتا ہے: ''صداقت کی مخلصانہ جستجو اور نظم اور حسن کے ذوق کے اعتبار سے سائنس مذہب اور فن کے اوصاف سے حصہ لیتی ہے... اصل بات یہ ہے کہ یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ شائد سائنس ہمارے اس عہد کے لیے خدا کی ہستی کی واضح ترین نقاب کشائی ہے... سچی بات تو یہ ہے کہ نوعِ انسانی کو جو کارہائے نمایاں سرانجام دینے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہو گا کہ وہ سائنس کو اخلاقی قدروں کے ساتھ آراستہ کرے گی اور اس طرح سے اس بڑے خطرے کا ازالہ کرے گی جو ہمارے مستقبل کو درپیش ہے۔''(۴۶)

راقم کی رائے میں آج کے دور میں سائنس کے مذہب اور اخلاق سے ربط کے سلسلے میں عامۃ الناس کی نفسیات کے تحت، غیر شعوری طور پر ہی سہی، بہت کچھ کام جاری ہے۔ وہ وقت ضرور آئے گا جب سائنس مذہبی اخلاقیات سے مربوط ہو کر کل شی یرجع الی اصلہ کے مصداق اپنی اصل کی طرف لوٹ آئے گی۔

اگر ہم اپنی عملی زندگی میں سائنس اور سائنسی ایجادات و اکتشافات کے ناقابلِ انکار کردار اور ہمارے ممدوح دانشوروں کے اس سے متعلق عملی رویے کے تناظر میں دیکھیں تو ان کے نقطہ نظر کی غلطی اور سطحیت اور نمایاں ہوتی ہے اور وہ مذاق بن کر رہ جاتے ہیں۔ یہ اپنی تحریروں میں شدومد سے سائنس اور سائنسی مظاہر کی برائیاں گنواتے اور مسلمانوں کو ان

سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں، لیکن خود ان میں بری طرح ملوث ہوتے ہیں۔کیا یہ تبلیغ و اصلاح کے تناظر میں اتنی سی بات سے بھی ناواقف ہیں کہ مبلغ کو پہلے خود اپنی دعوت پر عمل کر کے دکھانا چاہیے۔ یہ موبائل فون اور انٹرنیٹ وغیرہ کو اہلِ اسلام کے لیے زہرِ قاتل بتاتے اور ان کے استعمال کو مغرب کی مادی تہذیب و اقدار کے فروغ میں حصہ ڈالنے کے مترادف قرار دیتے ہیں، لیکن خود ان چیزوں کو اس طرح بے دریغ استعمال کرتے ہیں، جیسے انہیں اس معاملے میں کوئی خصوصی استثنا حاصل ہے۔ بندہ پوچھے یہ چھاپہ خانے، یہ کمپیوٹر اور اس کے ذریعے اپنے مافی الضمیر کی نشر و اشاعت، یہ بڑی بڑی بلڈنگز اور ٹاورز، یہ یونیورسٹیاں اور ان کے ادراوں میں خدمات، یہ کانفرنسز اور ادارے ان کے لوازمات، یہ ائرکنڈیشنڈ آفس، یہ کاروں اور ہوائی جہازوں کے سفر وعلی ہذا القیاس اس ''منحوس'' سائنس کی کوئی ایک چیز بھی ہے جس سے جناب بے نیاز ہوں! ستم ظریفی دیکھیے کہ ہمارے یہ ممدوح سائنس اور اس کے مظاہر کی برائیاں سائنس اور اس کے مظاہر ہی کے ذریعے بیان کرتے ہیں، لیکن پھر بھی انہیں برا کہتے ہیں۔کیا ان احباب نے کبھی غور کیا کہ موبائل انٹرنیٹ اور ٹی وی وغیرہ چیزیں فی نفسہ بری ہیں تو ان کا انہی اشیا کو استعمال کرتے ہوئے ان کے خلاف واویلا کیسے نیکی و بھلائی قرار پاتا ہے۔ انہیں دو میں سے ایک بات ماننی ہوگی؛ یا یہ کہ یہ چیزیں نفس الامر میں بری نہیں، اور یا یہ کہ ان چیزوں کو استعمال کر کے وہ بھی دوسروں کی طرح برائی کے فروغ کا ذریعہ بن رہے ہیں۔ (بلکہ ان کا جرم اس وجہ سے شدید تر ہو جاتا ہے کہ دوسرے ان کو برائی سمجھ کر استعمال نہیں کر رہے جبکہ یہ انہیں برائی یقین کر کے استعمال کر رہے ہیں) اور وہ جس بات کو بھی مانیں گے ان کا مقدمہ باطل ہو جائے گا۔

تاریخ، فطرت اور عقل بطور ماخذِ اخلاق

تاریخ، فطرت اور عقل سے متعلق ہمارے زیرِ نظر دانشوروں کا دعوی ہے کہ یہ اخلاقیات کی بنیاد نہیں بن سکتے۔ان میں سے کسی میں بھی یہ اہلیت نہیں کہ وہ یہ بتا سکے کہ خیر کیا ہے اور شر کیا؟ حق کس چیز کا نام ہے اور باطل کس چیز کا؟ کونسا کام آدمی کو کرنا چاہیے اور کونسا نہیں کرنا چاہیے؟ ایسا ثابت کرنے کی کوشش کے پیچھے یہ مفروضہ کارفرما ہے کہ ان تمام چیزوں کو اخلاقیات کی بنیاد اہلِ مغرب اور ان سے متاثر مسلمان بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن نہ یہ مفروضہ کلی طور پر صحیح ہے اور نہ اس کی بنیاد پر حاصل کردہ مذکورہ نتیجہ، ہاں اس میں جزوی صداقت موجود ہے۔مفروضہ میں جزوی صداقت یہ ہے کہ عقل و فطرت وغیرہ سے درسِ اخلاق کے دہریہ اور مذہب بیزار اہلِ مغرب اور مغرب سے مرعوب مسلمان بھی قائل ہیں۔لیکن اس میں غلطی یہ تسلیم نہ کرنا ہے کہ ان سے اخلاقی اسباق کے صرف یہی لوگ قائل نہیں بلکہ مذہبی لوگ حتی کہ خود مذہب بھی اس کا قائل ہے۔ اور نتیجے میں جزوی صداقت یہ ہے کہ مذکورہ اشیاء یا ان میں سے بعض اخلاقیات کی تنہا بنیاد نہیں۔لیکن اس میں غلطی یہ خیال کرنا ہے کہ ان میں سے کسی کا اخلاق سے کچھ علاقہ ہی نہیں۔ یہ حقیقت درج ذیل نکات سے نمایاں ہو کر سامنے آجائے گی:

تاریخ اور اخلاق

ہمارے ان دوستوں کا کہنا ہے کہ تاریخ انسان کو اخلاقی سبق سکھانے سے قاصر ہے۔تاریخی عمل سے نتائج اخذ کرنے کا کوئی منہج متعین کرنا ناممکن ہے۔مختلف فلسفی مطالعۂ تاریخ سے مختلف نتائج اخذ کرتے ہیں۔لیکن یہ نتیجہ بھی مذہباً اور عقلاً ہر دو لحاظ سے نادرست ہے۔مذہب باربار مطالعۂ تاریخ اور اس سے اخلاقی نتائج اخذ کرنے پر زور دیتا ہے۔قرآن کی بیسیوں آیات اس پر شاہد ہیں۔تذکیر بایام اللہ قرآن کا ایک نہایت اہم مضمون ہے۔ارشاد ہے:وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ (۴۷) ''اورانہیں اللہ کے ایام یاد کراو۔'' اور یہ اقوامِ سابقہ کے حشر کے مطالعے اور اس سے عبرت حاصل کرنے کی ترغیب ہی تو ہے۔قرآن حکیم نے جس واحد تاریخی واقعہ کو سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ ایک ہی جگہ بیان کیا ہے وہ قصۂ یوسف علیہ السلام ہے۔لیکن اس سے اس کا جو مقصود ہے وہ سورہ یوسف کی آخری آیت کہ ان الفاظ میں ملاحظہ فرمایے:لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ. (۴۸) ''ان کے قصے میں اہلِ عقل کے لیے(سامانِ) عبرت ہے۔'' زمین میں چل پھر کر پہلوں کے انجام سے سبق سیکھنے کی تاکید اتنی زیادہ آیات میں کی گئی ہے کہ ان کا احاطہ اس مضمون کی بساط سے باہر ہے۔چند آیات دیکھ لیجیے:

قُلْ سِيْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ. (۴۹) ''کہو:زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا۔'' ؛قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ. (۵۰) ''تم سے پہلے لوگوں کے طور طریقے گزر چکے ہیں،سو زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔'' ؛ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا .اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَیْءٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا. (۵۱) ''کیا یہ اس چیز کے انتظار میں ہیں کہ ان کے ساتھ وہی کیا جائے جو پہلوں کے معاملے میں کیا گیا؟ سو تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاو گے،اور اس کی سنت کو بدلتا نہ دیکھو گے۔کیا یہ لوگ زمین میں چلتے پھرتے نہیں کہ دیکھتے ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو ان سے پہلے تھے! حالانکہ وہ ان سے زیادہ طاقتور تھے،اللہ ایسا نہیں کہ زمین و آسمان کی کوئی چیز اسے عاجز کر سکے،وہ علم والا،قدرت والا ہے۔''

مطالعۂ تاریخ ہی آپ کو بتاتا ہے کی مذہب کی فراہم کردہ اخلاقیات کا نتیجہ(Out put) کیا رہا۔اسی سے آپ غیر مذہبی اقدار پر مذہبی اقدار کی فوقیت ثابت کرتے ہیں۔قرآن واضح طور پر کہہ رہا ہے کہ جھوٹ،فریب اور دغا چھوڑ دو اس لیے کہ اس کا نتیجہ تباہی ہے اور یہ نتیجہ قرطاسِ تاریخ پر رقم ہے۔کیا اس میں کوئی ابہام ہے کہ قرآن کے نزدیک نہ صرف تاریخ سے اخلاقی سبق حاصل ہوتا ہے، بلکہ اس سے اخلاقی سبق کا حصول قرآن کا نہایت اہم تقاضا ہے۔آخر قرآن نے یہ کہنا کیوں کافی نہیں سمجھا کہ جھوٹ اور بداخلاقی اس لیے چھوڑ دو کے اللہ نے اسے چھوڑنے کا حکم دیا ہے اور اس کے نتیجے میں

تمھیں جنت حاصل ہوگی۔اس کا سادہ سا جواب یہی ہے کہ یوں کہنا اہلِ ایمان ہی کے لیے فائدہ مند ہوسکتا ہے۔اس سے ان لوگوں کو کچھ نفع حاصل نہیں ہوسکتا جو ذاتِ باری کو جانتے اور مانتے ہی نہیں۔انہیں تو آپ کو انہی چیزوں سے اخلاقیات نکال کر دکھانی پڑے گی، جنہیں وہ جانتے اور مانتے ہیں، اور ان میں سے ایک نہایت اہم چیز تاریخ ہے۔

فطرت اور اخلاقیات

ہمارے ممدوح اسکالر یہ نظریہ بھی پیش کرتے ہیں کہ فطرت بھی اخلاق کا ماخذ نہیں بن سکتی۔دلیل وہی تاریخ والی دلیل جیسی ہے کہ یہ متعین ہی نہیں کیا جاسکتا کہ انسانی فطرت کیا ہے۔مختلف ادوار اور حالات سے گزرنے والے انسانوں کی فطرت مختلف ہوتی اور مختلف نتائج دیتی ہے۔لیکن یہ نظریہ بھی مذہب واخلاق کی کسوٹی پر پرکھنے سے باطل قرار پاتا ہے۔ اولاً اس لے کہ قرآن میں فطرت کے خیر وشر معلوم کرنے کا پیمانہ ہونے کے واضح شواہد ہیں۔ارشاد ہے: فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ. (۵۲) ''پس اپنا رخ پورے طور پر دینِ حنیف کی طرف رکھیے۔خدا کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔اللہ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں ہو سکتی، یہی صحیح دین ہے۔'' ایک اور جگہ فرمایا: وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا. فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا. (۵۳) ''اور نفس کی اور اس ذات کی قسم جس نے اس کی تکمیل کی۔پھر اسے اس کی نیکی وبدی سمجھا دی۔'' حدیث میں بھی واضح طور پر کہا گیا کہ: كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْيُنَصِّرَانِهٖ اَوْيُمَجِّسَانِهٖ. (۵۴) ''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اس کو یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔'' ان نصوص سے اس دعوے کی واضح تردید ہو رہی ہے کہ انسان کی 'اصلی حالت' کے تعین کا کوئی پیمانہ نہیں، اور اس حقیقت کو واشگاف کر رہے ہیں کہ انسان کی اصلی حالت کا مسئلہ محض فلاسفہ اور مغربی مفکرین کا ڈھکوسلہ نہیں بلکہ خالص مذہبی تصور ہے۔مذکورہ نصوص کی شرح میں بہت سے شارحین نے لکھا ہے کہ اگر آدمی کو اس کی اصلی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ مشرک وکافر نہیں بلکہ موحد بنے گا جبکہ ہمارے دانشور انسان کو سوسائٹی سے کاٹ کر دیکھنے کو سیکولر مفکرین کی 'لامتصور شے کو متصور کرنے کی لاحاصل کوشش' سے تعبیر کرتے ہیں۔

اگر ہمارے ممدوح دانشوروں کو فطرت سے اس لیے بیر ہے کہ مختلف ماحول کے لوگوں کی فطرتیں مختلف ہوتی ہیں اور انسان کی فطرت مسخ ہوسکتی ہے، تو ہم ان کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ ہمیں کوئی ایسی چیز بتائیے جو مختلف فیہ نہ ہو اور مسخ نہ ہوسکتی ہو۔مسخ کرنے پر آئیں تو سیکولر ولبرل ہی نہیں خود اہلِ مذہب اللہ کی آخری کتاب کو اس کی تعبیر وتشریح کے نام پر مسخ کر ڈالیں۔اقبال نے اس کا جگہ جگہ رونا رویا ہے۔کہیں وہ کہتے ہیں:

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند

کہیں شکوہ سنج ہیں:

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

اور کہیں نوحہ کناں ہیں:

زمن بر صوفی و مُلّا سلامے
کہ پیغامِ خدا گفتند مارا
ولے تاویلِ شاں در حیرت انداخت
خدا و جبرائیل و مصطفیٰ را

پھر قرآن نے بار بار تاکید کی کہ معروف کو اختیار کرو اور منکر سے بچو۔ نیز اس نے انبیا کو حکم دیا اور داعیانِ حق کا فریضہ ٹھہرایا کہ وہ معروف کا حکم دیں اور منکر سے روکیں۔ یہ معروف و منکر کیا ہے؟ کوئی بھی معتبر لغت اور شرحِ الفاظِ ربانی اٹھا کر دیکھ لیں آپ کو نظر آئے گا کہ معروف سے قرآن کی مراد جانی بوجھی ہوئی اچھائی ہے۔ یعنی معروف وہ ہے جس کو فطرت اچھا قرار دے۔ اسی طرح منکر جانی بوجھی ہوئی برائی ہے، جسے فطرت ٹھہراتی ہے۔ مزید برآں قرآن نے متعدد جگہ مختلف قانونی امور کو عرف کے مطابق طے کرنے کا حکم دیا ہے، جس سے مراد متعلقہ مہذب معاشرے کے شرفا کا دستور ہوتا ہے۔ یہ دستور بھلائی کی فطری قوتِ تمیز ہی سے ترکیب پاتا ہے۔ اگر فطرت برائی بھلائی میں تمیز کی اہل نہ ہوتی تو قرآن اس کی بنیاد پر وجود پذیر ہونے والے دستور پر اعتماد نہ کرتا۔

اخلاقیات اور عقل

ہمارے ان سکالرز کا ایک دعویٰ یہ ہے کہ عقل بھی اخلاق کا ماخذ نہیں۔ لیکن یہ دعوی اس قدر بودا ہے کہ عقل پر تنقید کرنے والوں کے سارے دلائل، تنقیدات اور داخلی محاکموں کو مہمل بنا دیتا ہے۔ ان سے اگر کوئی یہ کہے کہ جناب ہم آپ کی تمام تر تنقیدات کو من وعن مان لیتے ہیں، آپ صرف اتنا بتا دیجیے کہ کس بنیاد پر؟ تو ان کے پاس صرف ایک جواب ہوگا کہ عقلی دلائل کی بنیاد پر، اس لیے کہ نہ یہ وحی سے جواب دینے کے دعویدار ہیں اور نہ اُن لوگوں کو وحی سے جواب دیا سکتا ہے جن کے افکار کا یہ محاکمہ کر رہے ہیں۔ اور یہ جواب ان کے سارے دلائل کا قاتل ہے۔ ظاہر ہے کہ جو چیز آپ کے نزدیک معتبر ہی نہیں اس سے آپ کسی چیز کو غیر معتبر کیسے ٹھرا سکتے ہیں! گویا:

میر کیا سادے ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

تاہم وحی کی بنیاد پر عقل کو نامعتبر ٹھرانا بھی کچھ کم قابلِ گرفت نہیں، خاص طور پر وحی قرآنی کی بنیاد پر۔ قرآن سے عقل کے حجت ہونے کے جواز پر دلائل لانا کیا معنی وہ تو عقل وفکر سے کام لینے کی جگہ جگہ ترغیب دیتا ہے۔ اس قبیل کی سینکڑوں

آیات میں سے چند دیکھیے:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّھَارِ وَ الْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا وَ بَثَّ فِیْھَا مِنْ کُلِّ دَآبَّۃٍ وَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ. (۵۵) ''بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور رات دن کی تبدیلی اور ان کشتیوں میں، جو لوگوں کے فائدے کی چیزوں کے ساتھ دریا میں چلتی ہیں اور آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو، اس کی موت کے بعد، زندہ کرنے اور اس میں ہر طرح کے جانور پھیلانے اور ہواؤں کے چلنے اور بادلوں کے آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہنے میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔''؛ سَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَ النَّھَارَ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌم بِاَمْرِہٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (۵۶) ''اور اس نے تمہارے لیے رات اور دن اور سورج اور چاند کو مسخر کیا اور ستارے (بھی) اس کے حکم سے مسخر ہیں۔ بلاشبہ اس میں عقل سے کام لینے والوں کے لیے (بہت سی) نشانیاں ہیں۔''وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ. وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (۵۷) ''اور زمین میں بھی نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کے لیے، اور تمہاری اپنی ذات میں بھی، تو کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا۔''؛ اَوَ لَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ. (۵۸) ''کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی سلطنت پر، اور ان اشیا پر، جو اللہ نے بنائیں، نگاہ نہیں ڈالی؟''؛ قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰہُ یُنْشِئُ النَّشْاَۃَ الْاٰخِرَۃَ. (۵۹) ''آپ فرمائیے! زمین میں چل پھر کر دیکھو۔ اللہ کیونکر خلق کی ابتدا کرتا ہے اور پھر اسے دوسری اٹھان اٹھاتا ہے۔''؛ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا. (۶۰) ''تو کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔''

قرآن کے نزدیک صاحبانِ ایمان و تقوی کی نمایاں علامت یہ ہے کہ اِذَا ذُکِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْھَا صُمًّا وَّ عُمْیَانًا. (۶۱) ''جب انہیں ان کے رب کی آیات سے نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے۔'' یہی نہیں بلکہ قرآن کے مطابق عقل سے کام نہ لینے والے بدترین خلائق ہیں۔ (اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰہِ الصُّمُّ الْبُکْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ. (۶۲) ''اسی پر بس نہیں قرآن تو یہاں تک کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عقل و فکر سے کام نہ لینے والوں پر گندگی ڈال دیتا ہے۔ وَ یَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ. (۶۳)

ہمارے دانشور کہتے ہیں کہ عقل میں خیر و شر میں تمیز کی اہلیت نہیں۔ سوال یہ ہے کہ پھر خالقِ کائنات نے اس کے ذریعے حقیقتِ کبریٰ تک رسائی حاصل کرنے پر اتنی زیادہ آیات میں اس غیر معمولی انداز سے زور کیوں دیا ہے؟ اس نے کیوں صرف اتنا کہنے پر اکتفا نہیں کیا کہ جب میں اور میرے نبی ﷺ کہہ رہے ہیں کہ اللہ ہے، اس نے تمہیں ایک خاص مدت تک لیے دنیا میں بھیجا ہے، تمہیں ایک روز اللہ کے حضور حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہے، تو بس اور کیا دلیل

چاہتے ہو، سرِ تسلیم خم کر دو۔ کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ اللہ اپنے سینکڑوں ارشادات میں نہایت غیر مبہم طریق سے عقل کو خیر وشر ہی نہیں خود خالقِ خیروشر کی پہچان کا ذریعہ بتا رہا ہے اور ہم اسی کے نام پر یہ باور کرانے پر زور لگا رہے ہیں کہ خوب وزِشت کی معرفت عقل کا وظیفہ ہی نہیں۔

عقل کے خلاف آپ کی ساری سر پَھٹول اس بنا پر ہے کہ ہمیں ایک ایسی چیز میسر ہے جو عقل سے بہت اعلی درجے کی ہے اور ہمیں ان امور سے متعلق خبر دیتی ہے جن کا ادراک عقل کی مجال نہیں۔ یہ چیز ایمان ہے۔ لیکن آپ نے کبھی غور فرمایا کہ یہ ایمان کہاں سے آیا ہے؟ ایک آدمی ہے جس پر نہ وحی آتی ہے اور نہ وہ وجودِ باری اور وحی و نبوت کا قائل ہے۔ آپ اس کو کیسے سمجھائیں گے کہ اللہ تعالی موجود ہے، اس نے وحی و نبوت کا سلسلہ قائم فرمایا اور انسانوں کو تعلیم دی ہے کہ وہ وحی و نبوت اور اس کے پیش کردہ عقائد و تصورات پر ایمان لائیں۔ عقل کے سوا اس کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں۔ ہمارے دانشوروں کو خبر ہو نہ ہو اللہ علیم وخبیر ہے، اسے تو پتہ ہے کہ بے ایمان عقل ہی کی بنیاد پر ایمان لا سکتا ہے، سو اس نے اپنی آخری کتاب میں اسی کے ذریعے ایمان لانے پر زور دیا۔ اوپر درج اور سیکڑوں دیگر آیات اس حقیقت کی ناطق شہادتیں ہیں۔ اب ذرا ارشاداتِ باری اور ان کے بدیہی نتائج اور ہمارے عقل مخالفین کے نظریے کو ملا کر دیکھیے: عقل اللہ کو پا سکتی ہے لیکن خیروشر کو نہیں!

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے
خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھیے

بلاشبہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ایمان عقل کا رہبر ہے۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جنہیں ہم ایمان کے اعتماد پر مان لیتے ہیں، حالانکہ وہ ہماری عقل میں نہیں آتیں۔ لیکن ایمان کو عقل کی رہبری کا اختیار بھی تو عقل ہی نے دیا ہے۔ بِنا بریں ایمان کے حاصلات فی الاصل عقل کے حاصلات ہیں۔ پھر یہ بات بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ ایمان اور عقل میں باہم کوئی تسابق و تصادم نہیں، سمجھوتا و موافقت اور اپنائیت ہے۔ بلکہ یوں کہیے کہ عقل عاشق ہے اور ایمان محبوب۔ ایمان جن چیزوں پر اعتقاد کا کہتا ہے عقل اس لیے مان لیتی ہے کہ وہ اس کے محبوب کی پسند ہیں۔ ایمان بھی اس کو دھوکا نہیں دیتا اور اپنے سارے معاملات اس کو اعتماد میں لے کر طے کرتا ہے۔ اگر کہیں اختلاف ہو جائے تو ڈائیلاگ ہوتا ہے، اور بالآخر دونوں ایک متفقہ نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں۔ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ اختلاف برقرار رہے، تاہم اختلاف باقی رہے تو امرِ فیصل، جیسا کہ محبوب و محبّ کے معاملے کا عام دستور ہے، محبوب ہی کا ہوتا ہے۔ اور وہ بھی اس وجہ سے کہ عقل ایمان کے فیصلے کو مان لیتی ہے۔ نہ مانے تو جیسے معاملہ عشق میں عاشق عاشق نہیں رہتا اور محبوب محبوب نہیں، عقل عقل نہیں رہتی اور ایمان ایمان نہیں رہتا۔

اس میں شبہ نہیں کہ مغرب کو معیارِ حق ٹھراتے ہوئے دینی عقائد و نظریات کو کھینچ تان کر اس سے موافق کرنے کی کا رویہ گمراہی ہے۔ لیکن یہ بھی کوئی دلیلِ علم و ہدایت نہیں کہ مغرب کو معیارِ باطل سمجھتے ہوئے اس سے متعلق یا منسوب ہر چیز

کو جہالت اور دین و مذہب اور اس کے پیروکاروں کے لیے زہرِ قاتل قرار دیا جائے اور اس میں یہاں تک غلو ہو کہ شریعت کے بہت سے واضح نصوص کا انکار لازم آئے یا ان کی دور از کار تاویلات کرنا پڑیں۔ مغرب معیارِ حق نہیں تو معیارِ باطل بھی نہیں۔ اسلام میں حق و باطل کو مشرق و مغرب کے خانوں میں بانٹ کر دیکھنے کا کوئی جواز نہیں۔ حق مغرب کے اپنا لینے سے باطل ہو جاتا ہے نہ باطل مشرق کے اختیار کر لینے سے حق۔

مراجع وحواشی

(۱) میں خود اس رویے اور اس کے حاملین کا سخت ناقد ہوں۔ اس ضمن میں مختلف رسائل و جرائد میں راقم کے متعدد مضامین بھی شائع ہو چکے ہیں۔ مثال کے طور پر ''تحقیقاتِ اسلامی'' علی گڑھ، انڈیا، شمارہ جنوری۔مارچ ۲۰۱۱ء میں پرویز کی قرآنی فکر اور ''الشریعہ'' دسمبر ۲۰۱۱ء، فروری ۲۰۱۲ء میں دنیائے اسلام پر استشراقی و مغربی فکر کے اثرات پر شائع ہونے والے راقم کے تفصیلی مضامین ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

(۲) See for details: Bucaille,M.(ND). *The Bible, The Quran and Science*.trans. ALastair D. Pannel and Author. p102.

(۳) United States of America.(1986). *Encyclopaedia Britannica*. Vol 10. U.S.A: Fifteenth Edition.p 552; Gould.J.Kolb.(1964). *A Dictionary of Social Sciences.* London:Tavistock Publications. p. 620.

(۴) Guillaume, A., Arnold, T. (1983). *The legacy of Islam.* London: Oxfor University Press. p. 11

(۵) عبد القادر، ڈاکٹر۔(۱۹۸۳ء)۔ تاریخ سائنس۔ لاہور: ادارہ تالیف و ترجمہ، پنجاب یونیورسٹی۔ص ا۔

(۶) رفیع الدین، ڈاکٹر۔(۱۹۸۲ء)۔ اسلام اور سائنس۔ لاہور: اقبال اکادمی، میکلورڈ روڈ۔ص ا۔

(۷) فضل کریم، ڈاکٹر۔(۱۹۹۹ء)۔ قرآن اور جدید سائنس۔ لاہور: فیروز سنز۔ص ۳۵۔

(۸) محمود انور، پروفیسر۔(۱۹۶۵ء)۔ جدید طبیعات کا تعارف۔ لاہور: مجلس ترقی ادب ۲ کلب روڈ،۔ص ۱۱۔

(۹) القرآن ۲: ۳۰-۳۳ (۱۰) القرآن ۹۶: ۱-۵

(۱۱) القرآن ۳۹: ۹ (۱۲) القرآن ۵۸: ۱۱

(۱۳) القرآن ۳۵: ۲۸ (۱۴) القرآن ۲۹: ۴۳

(۱۵) القرآن ۶۲: ۲ (۱۶) القرآن ۲۰: ۱۱۴

(۱۷) القرآن ۳: ۱۹۱ (۱۸) القرآن ۸۸: ۱۸-۲۰؛ القرآن ۵۰: ۶

(۱۹) القرآن ۷: ۱۷۹ (۲۰) القرآن ۱۲: ۱۰۵

(۲۱) رفیع الدین، ڈاکٹر۔ حوالہ بالا۔ص ۱۷ (۲۲) القرآن ۶۷: ۳-۴

(۲۳) القرآن ۲: ۲۶۰ (۲۴) القرآن ۲: ۲۵۹

(۲۵) جو لوگ سائنس کی حمایت میں غلو کر کے قرآن سے خواہ مخواہ اس کی جزئیات نکالنے اور ہر کچے پکے سائنسی تصور کو قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ ہمارے نزدیک اسی طرح قابلِ گرفت ہیں جیسے اس وقت زیرِ تنقید علما و دانشور۔ ایک مسلمان کو نہ سائنس کے ہر

نظریے وفرضیے سے مرعوب ہوکر قرآن کو اس کے مطابق کرنے کی فکر چاہیے اور نہ ہی اس کے ہر تصور کو بلا وجہ اسلام مخالف سمجھ لینا چاہیے۔گویا اسے خَيْـرُ الْاُمُـوْرِ اَوْسَطُھَـا کے پیش نظر معتدل رویہ اپنانا چاہیے۔راقم نے اس سلسلے میں اپنے ایک مضمون میں تفصیلی بحث کی ہے۔دیکھیے: ڈاکٹر محمد شہباز منج، ''مذہب اور سائنس-باہمی تعلق کی صحیح نوعیت۔''القلم ۱۶،شمارہ ۲(۲۰۱۱ء):۱۶۱-۱۸۴۔

(۲۶) http://www.einsteinandreligion.com/religioncomments.html

(۲۷) http://scienceandthemedia.weebly.com/uploads/6/9/6/2/6962884/einstein_science_philosophy_and_religion

(۲۸) Bucaille, M. (n.d). *The Quran and Modern Science.* Karachi: Ashraf Publication. p 3.

(۲۹) Morris, H. M. (2012). *Men of Sciencs Men of God.* U.S.A: Master Books. p. 31-32.

(۳۰) See for example: Sir Isaac Newton.(1952). *Mathematical Principles of Natural*

(۳۱) *Philosophy,* trans. Motte, Andrew. Chicago :William Benton. p 273-7 http://www.christianity.co.nz/science4.htm

(۳۲) http://home.columbus.rr.com/sciences/enlightened_belief_history.htm

(۳۳) Tiner, J. H. (1977). *J.ohannes Kepler-Giant of Faith and Science* (Michigan: Mott Media. p. 197.

(۳۴) ابوالاعلی مودودی،مولانا۔(۱۹۶۵ء)۔ترجمان القرآن۔لاہور:پاکستان پرنٹنگ پریس۔ص ۲۸۵۔۲۸۶

(۳۵) Iqbal, A. M. (1965). *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*. Lahore: Hafeez Press. p. 195-96.

(۳۶) See: Bettany, L. (1995)."Ibn al-Haytham: an answer to multicultural science teaching.",*Physics Education 30,* no.4 .p 247–252; Ahmad, I. A. (1995). "The impact of the Qur'anic conception of astronomical phenomena on Islamic civilization", *Vistas in Astronomy 39,*no. *p* : 395–403.

(۳۷) Gingerich, O. (1986). "Islamic Astronomy". *Scientific American,* 254(4). pp. 74-83; Gandz, S. (1938). "The Algebra of Inheritance: A Rehabilitation of Al-Khuwarizmi." *Osiris 5,* pp. 319–391.

(۳۸) Fancy, N. A. G. (2006). "Pulmonary Transit and Bodily Resurrection: The Interaction of Medicine, Philosophy and Religion in the Works of Ibn al-Nafis (d. 1288)". Electronic Theses and Dissertations. University of Notre Dame. p 232–3

(۳۹) George. S. (1994). *A History of Arabic Astronomy: Planetary Theories During the Golden Age of Islam.* New York: New York University Press. pp 60, 67–69.

(۴۰) Savage-Smith, E.(1995). "Attitudes Toward Dissection in Medieval Islam." *Journal of the History of Medicine and Allied Sciences.* 50(1). pp 67–110.

(۴۱) Ragep, F. J. (2001)."Tusi and Copernicus: The Earth's Motion in Context". *Science in Context*. 14(1-2). pp. 1–2, 145–163

(۴۲) Kukkonen,T. J. (2000). "Possible Worlds in the Tahafut al-Falasifa: Al-Ghazali on Creation and Contingenc". *Journal of the History of Philosophy*. (38)4. pp. 479–502.

(۴۳) Briffault, R. (1928). *The Making of Humanity*. London: G. Allen & Unwin. pp 190-202.

(۴۴) Durant, W. (1980). The Age of Faith Vol.4. New York: Simon & Schuster. pp162-86.

(۴۵) Lindberg, D. C. (1967). "Alhazen's Theory of Vision and Its Reception in the West". *Isis*. (58)3. pp. 321–341.

(۴۶) سیارہ ڈائجسٹ قرآن نمبر (س۔ن)۔ ۲/۸۲ (۴۷) القرآن ۱۴:۵

(۴۸) القرآن ۱۲:۱۱۱ (۴۹) القرآن ۳۰:۴۲

(۵۰) القرآن ۳:۱۳۷ (۵۱) القرآن ۳۵:۴۳-۴۴

(۵۲) القرآن ۳۰:۳۰ (۵۳) القرآن ۹۱:۸

(۵۴) محمد بن اسماعیل البخاری۔ صحیح البخاری (۔۱۴۲۲ھ)۔ ج ۲۔ تحقیق۔ محمد زہیر بن ناصر الناصر۔ دار طوق النجاۃ۔ حدیث رقم ۱۳۸۵۔ کتاب الجنائز۔ باب ما قیل فی اولاد المشرکین۔ ص ۱۰۰

(۵۵) (القرآن ۲:۱۶۳) (۵۶) القرآن ۱۶:۱۲ (۵۷) القرآن ۵۱:۲۰-۲۱

(۵۸) القرآن ۷:۱۸۵ (۵۹) القرآن ۲۹:۲۰ (۶۰) القرآن ۴۷:۲۴

(۶۱) القرآن ۲۵:۷۳ (۶۲) القرآن ۸:۲۲ (۶۳) القرآن ۱۰:۱۰۰